بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا

ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالۃ

۱۳۱۷ھ

تصنیف لطیف:۔

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

رسالہ

ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالہ

۱۳۱۷ھ

(بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۷ ہجریہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جو کہ عقد ہوتے ہیں کہ ایک شخص غیر کو ولی ہندہ نے وکیل قرار دے کر اور دو شخص اور ہمراہ اُس کے واسطے گواہی کے مقرر کرکے واسطے اجازت لینے نکاح کے ہندہ کے پاس بھیجے وہ شخص کسی کا سر اور کسی کا پاؤں کچلتا ہُوا ہنگامۂ مستورات میں جاکر قریب ہندہ کے بیٹھا اور یہ کلمات کہے کہ تو مجھ کو واسطے عقد اپنے کے وکیل کردے وہ بیچاری بباعث رواج اس ملک اور شرم کے کب گویا ہوتی ہے، اکثر مستورات اس کو فہمائش کرتی ہیں مگر وہ نہیں جواب دیتی اور بعض بعض کچھ گریہ یا "ہُوں" کا اشارہ کردیتی ہیں، بعد کو وکیل صاحب باہر تشریف مع دونوں گواہوں کے لاکر دولھا کے روبرو آکر بیٹھتے ہیں اور واہنے دولھا کے ایک شخص اور، کہ دعوٰی قضا کا رکھتے ہیں اور پیشہ کفش دوزی یا خیاطی یا نوربافی کا کرتے ہیں وہ بھی بیٹھے ہیں ـــــ جو کہ وکیل صاحب مع گواہوں کے تشریف لائے تھے وہ قاضی صاحب سے سلام علیک کرکے رُوبرو دُولھا کے بیٹھ گئے، قاضی صاحب نے وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ کا آنا کہاں سے ہوا، وکیل صاحب نے درجواب اس کے ارشاد کیا کہ دختر فلاں نے واسطے عقد اپنے کے مجھ کو وکیل مقرر کرکے

بھیجا ہے اور میری وکالت کے یہ دونوں شخص گواہ ہیں آپ اس کا عقد نوشہ ہذا کے ساتھ کر دیجئے، قاضی صاحب نے بعد طے ہونے گفتگو عقد اور تعین مہر مبلغ ایک لاکھ روپے اور بیس دینار سرخ سوائے نان نفقہ کے نوشہ کی طرف متوجہ ہو کر خیال کیا کہ کنگنہ جو ہاتھ میں دولہا کے بندھا تھا وہ کھول کر علیحدہ رکھ دیا اور سہرا کو لوٹ کر شملہ پر لپیٹ دیا اور یہ کلمات فرمائے کہ فلاں شخص کی دختر کو بوکالت فلاں شخص اور بہ گواہی فلاں فلاں شخص کے بالعوض اس قدر مہر سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح تیرے کے دی میں نے، قبول کی تُو نے۔ اس نے کہا قبول کی میں نے۔ بعد کو وکیل صاحب مع گواہوں کے چلے گئے، اور قاضی صاحب بھی اپنا حقِ نکاح خوانی مع دو رکابی پلاؤ کے لے کر تشریف لے گئے۔ دولہا نے وہ کنگنہ پھر اپنے ہاتھ میں باندھ لیا، آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرام کی ہوئی یا حلال کی ہوئی؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرامی ہوئی اور شناخت حرام اور حلال کی یہ ہے کہ جو اولاد ایسے نکاحوں سے ہوتی ہے اُن سے اکثر یہ فعل سرزد ہوتے ہیں جیسے زنا یا شراب خوری یا قمار بازی یا لواطت؛ سوا اس کے جو فعل ناشائستہ ہیں وُہ سرزد ہوتے ہیں یا کہ والدین سے جنگ جدال کرنا اور بزرگ کا لحاظ پاس نہ کرنا، یہ فعل اولاد صالح اور حلال سے ہرگز عمل میں نہیں آئیں گے۔ اور قول عمرو کا یہ ہے کہ کچھ اس نکاح میں قباحت نہیں اور نہ اولاد حرام ہوسکتی ہے کیونکہ قدیم سے یہی رسم چلی آئی، اگر ایسا ہو تو سب مخلوق خدا حرامی ہوگی۔ آیا قول زید کا درست ہے یا عمرو کا؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ بالفرض کنگنہ بھی نہیں ہے اور نکاح بھی اصالۃً یا ولایۃً یا کہ جو وکیل ہے اسی نے ایجاب قبول کرایا اور بعد اس کے کلمات کفر کے طرفین سے خواہ شوہر یا عورت سے سرزد ہوئے اور ان کو تمیز نہیں ہے کہ یہ کلمات کفر ہیں جب بھی نکاح جاتا رہے گا اور جو قبل از توبہ اور سرِنو ایجاب قبول کرنے کے اولاد ہوگی وُہ بھی حرامی ہوگی۔ بینوا توجروا من اللہ۔

الجواب

ظاہر ہے کہ عورت سے اذن بھی لیا جاتا ہے کہ عاقلہ بالغہ ہو، اور بیشک عاقلہ بالغہ کا اذن شرعاً معتبر اور بیشک دوشیزہ کا سکوت بھی اذن۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البکر تستأذن فی نفسھا واذنھا صماتھا[1]۔ رواہ احمد والستۃ

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: باکرہ لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے اور اجازت کے جواب میں خاموشی باکرہ کی

[1] صحیح مسلم باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۵

الا البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اجازت ہوگی۔ امام احمد نے اور صحاح ستہ میں ماسوائے بخاری کے اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ ولی اقرب اس سے اذن لے ورنہ مجرد خاموشی اذن نہ ٹھہرے گی۔ دُرمختار میں ہے:

فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا[1] الخ۔

اگر باکرہ سے ولی اقرب کا غیر مثلاً کوئی اجنبی یا ولی بعید اجازت طلب کرے تو یہاں باکرہ کی خاموشی رضا میں معتبر نہیں الخ۔ (ت)

اور بیشک اکثر لوگ جو وکیل کئے جاتے ہیں اجنبی یا ولی بعید ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں اگر انھوں نے اذن لے لیا اور دوشیزہ نے سکوت کیا تو سرے سے انھیں کے لئے وکالت ثابت نہ ہُوئی اور اگر اس نے صاف "ہُوں" کہہ دیا یا ولی اقرب کے اذن لینے پر سکوت کیا تو اس کے لیے وکالت حاصل ہوگئی مگر وکیل بالنکاح کو شرعاً اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھائے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک ماذونِ مطلق یا صراحۃً دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے پڑھوایا تو صحیح مذہب پر نکاح بلا اذن ہو گا اگرچہ عقد اس کے سامنے ہی واقع ہو۔

فی رد المحتار عن العلامۃ الرحمتی عن العلامۃ الحموی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرۃ وکیل الوکیل بحضرۃ الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرۃ الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع[2] الخ اقول نص الغمز عن الولوالجیۃ ھکذا اوکل رجلا فوکل الوکیل غیرہ وفعل الثانی بحضرۃ الاول فان کان بیعا اوشراء یجوز وماعدا البیع والشراء من الخصومۃ والتقاضی والنکاح والطلاق وغیر ذٰلک

ردالمحتار میں علامہ رحمتی نے علامہ حموی کے حوالے سے اصل (مبسوط) میں ذکر شدہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام نقل کیا ہے کہ نکاح میں خود وکیل کی موجودگی میں وکیل کی بات معتبر نہیں ہے، بیع کا معاملہ اس کے برخلاف ہے **اقول** میں کہتا ہُوں کہ غمز نے ولوالجیہ سے یُوں نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور وکیل نے کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنالیا اور اگر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کیا تو ایسی صورت میں اگر بیع و شراء کا معاملہ ہو تو جائز ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور مثلاً عدالتی مطالبہ، نکاح،

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۰

ذکر عصام فی مختصرہ انہ یجوز وذکر
محمد فی الاصل انہ لا یجوز فانہ قال
اذا فعل الثانی بحضرۃ الاول لم یجز
الا فی البیع والشراء وھو الصحیح[1]
اھ ملخصا، فاذا کان ھذا ھو مفاد
الاصل وقد ذیل بالتصحیح فانقطع
الخلاف واضمحلت الروایۃ النادرۃ
وسقط ما فی الخانیۃ فکیف بما فی
القنیۃ وان ایدہ العلامۃ الطحطاوی
وترکہ علامۃ البحر فی البحر
والمحقق العلائی فی الدر مستشکلا
ولا غرو فقد شہدت کلماتہم
رحمہم اللہ تعالٰی انہم لم
یطلعوا اذ ذاک علی کلام الاصل
اصلا حیث لم یلموا بہ الماما
ولا اشتموا منہ اشماما، ولکن
العجب من خاتمۃ المحققین
العلامۃ الشامی قدس سرہ السامی
حیث اورد کلام الاصل ثم لم یسمح الا باستظہار
عدم الجواز مریدا بہ عدم النفاذ اذ العقد عقد
فضولی فکانہ اقتصر علی النقل عن العلامۃ مصطفٰی
ولو راجع الغمز لرأی تصحیح الامام الولوالجی
لما فی الاصل ومعلوم ان

طلاق وغیرہ ہوں تو عصام نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے
کہ ان امور میں بھی اس کا عمل جائز ہے اور امام محمد
رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں
ہے تو یوں فرمایا کہ اگر دوسرا وکیل پہلے وکیل کی موجودگی
میں عمل کرے تو بیع وشراء کے علاوہ میں جائز نہیں ہے
اور یہی صحیح ہے اھ ملخصا۔ جب اصل (مبسوط) کا
مفاد یہی ہے اور اسی ضمن میں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے
تو اس کا خلاف ختم اور نادر روایت کمزور ثابت ہو گئی
اور خانیہ کا بیان ساقط ہو گیا، تو اب قنیہ کے بیان
کی کیا حیثیت ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اس کی
تائید کی ہے اور پھر اس کو علامہ بحر نے بحر میں اور
محقق علائی نے دُر میں باعثِ اشکال قرار دیا ہے اور
کوئی بعید نہیں ان حضرات نے اصل کے بیان پر اطلاع
نہ پائی ہو جیسا کہ ان حضرات کے کلام سے عیاں ہو رہا ہے
کہ انھوں نے اصل کے مضمون کو چھوا تک نہیں ہے
لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں
تعجب ہے کہ انھوں نے اصل کے بیان کو ذکر کرتے
کے باوجود عدم جواز کے اظہار کے علاوہ کچھ تعرض نہ فرمایا
حالانکہ وہ اس کے نفاذ کے خواہاں نہیں ہیں کیونکہ
دوسرے وکیل کا نکاح میں یہ عمل عقدِ فضولی ہے
معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی نے علامہ مصطفٰی کی نقل
کو کافی سمجھا اور اگر وہ غمز کی طرف رجوع کرتے تو امام
ولوالجی کا اصل کی عبارت کو صحیح قرار دینا دیکھ لیتے

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱

رواية الاصول اذا صححت سقطت كل رواية سواها فكان السبيل الجزم دون مجرد الاستظهار، والله ولى التوفيق۔

کیونکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ جب اصول کی روایات کی تصحیح ہوجائے تو باقی تمام روایات ساقط قرار پاتی ہیں اس لیے مناسب تھا کہ علامہ شامی صرف اظہار کی بجائے اپنے جزم کو کام میں لاتے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

بہرحال مذہب راجح پر یہ نکاح نکاحِ فضولی ہوتے ہیں اور نکاحِ فضولی کو مذہب حنفی میں باطل جاننا محض جہالت وفضولی بلکہ باجماعِ ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم منعقد ہوجاتا ہے اور اجازت اصیل پر (کہ یہاں وُہ عورت ہے جس کے بے اذن اُس کا نکاح غیروکیل نے کردیا) موقوف رہتا ہے اگر وُہ اجازت دے نافذ ہوجائے اور رَد کردے تو باطل،

كما هو حكم تصرفات الفضولى جميعا عندنا كما صرح به فى عامة كتب المذهب۔

جیسا کہ فضولی کے تمام تصرفات کا ہمارے ہاں حکم ہے جس کی تمام کتبِ مذہب میں تصریح ہے (ت)

عالمگیری میں ہے،

لايجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا فان فعل ذٰلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل كذا فى السراج الوهاج[1]۔

عاقلہ بالغہ کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کا کیا ہُوا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا خواہ وُہ عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیّبہ۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، وہ جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ اگر رد کردے تو وُہ نکاح باطل ہوجائیگا' سراج وہاج میں یوں ہی ہے۔ (ت)

پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے مثلاً عورت خبرِ نکاح سُن کر کہے میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا راضی ہوئی یا مجھے قبول ہے یا اچھا کیا یا خدا مبارک کرے الٰی غیر ذٰلك من الفاظ الرضا (علاوہ ازیں تمام وُہ الفاظ جو رضا پر دلالت کرتے ہیں۔ ت) یُونہی اُس فعل یا حال سے بھی ہوجاتی ہے جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت اپنا مہر مانگے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد لے یا خبرِ نکاح سُن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے یا اپنا جہیز شوہر کے گھر بھجوائے یا اُس کا بھیجا ہُوا مہر لے لے یا اُسے بلا جبر و اکراہ اپنے ساتھ جماع یا بوس وکنار ومساس کرنے دے یا تنہا مکان میں اپنے ساتھ خلوت میں آنے دے یا اُس کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

کام خدمت میں مشغول ہو جبکہ نکاح سے پہلے اس کی خدمت نہ کیا کرتی ہو و نحو ذٰلک من کل فعل یدل علی الرضا (اور یونہی اس قسم کے تمام وُہ افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں۔ ت) ان سب صورتوں میں وُہ نکاح کہ موقوف تھا جائز ونافذ ولازم ہوجائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

کما یتحقق رضاھا بالقول کقولہا رضیت وقبلت واحسنت واصبت وبارک اللہ لک اولنا ونحوہ یتحقق بالدلالۃ کطلب مہرھا ونفقتہا وتمکینہا من الوطی وقبول التھنیۃ والضحک بالسرور من غیر استھزاء کذا فی التبیین[1]۔

جیسا کہ، میں راضی ہوں، میں نے قبول کیا، تُونے اچھا کیا، تُونے درست کیا، اللہ تعالٰی تجھے برکت دے یا ہمیں برکت دے جیسے الفاظ سے عاقلہ بالغہ کی رضامندی ثابت ہوتی ہے یُوں ہی ان افعال سے دلالۃً رضا ثابت ہوگی مثلاً مہر طلب کرنا، نفقہ طلب کرنا، وطی کی اجازت دینا، مبارکباد قبول کرنا، خوشی سے ہنسنا وغیرہ، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وان تبسمت فھو رضا ھو الصحیح من المذھب ذکرہ شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی المحیط[2]۔

اگر وُہ خوشی سے تبسم کرے تو وُہ رضا ہے، یہی صحیح مذہب ہے، اس کو شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

خانیہ میں ہے:

الرضا باللسان او الفعل الذی یدل علی الرضا نحو التمکین من الوطی وطلب المھر وقبول المھر دون قبول الھدیۃ وکذا فی حق الغلام[3]۔

رضا زبانی اور عملی دونوں طرح ہوتی ہے یہ ان امور میں ہے جو رضا پر دلالت کریں، جیسے وطی کی اجازت، مہر طلب کرنا، مہر کو وصول کرلینا، بخلاف ہدیہ قبول کرنے کے کہ یہ نکاح پر رضامندی نہ ہوگی۔ لڑکے کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

حاشیۂ طحطاویہ میں زیرِ قول درمختار وقبول التھنیۃ والضحک سرورا ونحو ذٰلک (مبارکباد قبول کرنا، ہنسنا خوشی میں وغیرہ۔ ت) ہے کامرھا بحمل جہازھا الی بیت الزوج[4] (جیسے لڑکی کا جہیز کے سامان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۹

[2] " " " " — " " " ۱/ ۲۸۷

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فی شرائط النکاح — نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۸

[4] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی — دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۲

کو خاوند کے ہاں منتقل کرنے کا کہنا۔ ت) ردالمحتار میں ہے :

فی البحرعن الظھیریۃ لوخلاھا برضاھا ھل یکون اجازۃ لاروایۃ لھذہ المسئلۃ وعندی ان ھذہ اجازۃ اھ وفی البزازیۃ الظاھر انہ اجازۃ اھ[۱] مافی الشامیۃ اقول[۲۲] ومن ھٰھنا زدت المس والتعانق والتقبیل لان الخلوۃ برضاھا لما کانت امارۃ الرضا فھذہ الافعال اجدر واحری کما لا یخفی۔

بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے وہ شخص خلوت کرلے تو کیا یہ لڑکی کی طرف سے نکاح کو جائز قرار دینا ہے یا نہیں تو اس مسئلہ کی روایت نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ، بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہوگی اھ شامی کی عبارت ختم ہوتی۔ اقول یہاں پر میں نے چھونا، معانقہ، بوسہ کو مزید بڑھایا کیونکہ جب خلوت رضا کی دلیل ہے تو یہ امور رضا پر دال ہونے میں زیادہ واضح ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

حاشیتین علامہ طحطاوی وشامی میں ہے :

قولہ بخلاف خدمتہ ای ان کانت تخدمہ من قبل ففی البحر عن المحیط والظھیریۃ ولواکلت من طعامہ اوخدمتہ کما کانت فلیس برضی دلالۃ اھ[۲]

ماتن کے قول "لڑکی کا خدمت کرنا" اس کے خلاف ہے یعنی اگر لڑکی نکاح سے پہلے اس شخص کی خادمہ تھی، تو اس بارے میں بحر، محیط اور ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر لڑکی نے اس شخص کا کھانا کھایا یا اس کی خدمت کی تو یہ رضا پر دلیل نہ ہوگی اھ (ت)

ہمارے بلاد میں عام لوگوں خصوصاً شریفوں خصوصاً اغنیاء میں اگرچہ یہ اکثر باتیں شبِ زفاف بلکہ مدت تک اُس کے بعد بھی واقع نہیں ہوتیں، اور بوس وکنار ومساس وجماع جو اس شب ہوتے ہیں غالباً نہایت اظہارِ کراہت ونفرت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے باعث انھیں دلیلِ رضا ٹھہرانے میں دقت ہے مگر اس میں شبہہ نہیں کہ شوہر کو شبِ زفاف تنہا مکان میں اپنے پاس آنے دینا اور اس خلوت پر سوا شرم کے کوئی اثر مترتب نہ ہونا یقیناً ہوتا ہے نکاح نافذ ہوجانے کے لیے اسی قدر بس ہے اور یہ امر قطعاً پیش از جماع واقع ہوتا ہے تو جماع بعد نفاذ ولزوم نکاح واقع ہوا اور اولاد اولادِ حلال ہوئی بلکہ[۲۳] اگر مقاصد شرع مطہر اور اپنے بلاد کے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر نگاہ دقیق فقہی سے کام لیجئے تو شبِ اوّل شوہر کو اپنے ساتھ جماع پر قدرت دینا بھی حقیقۃً رضا ہے

---

[۱] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱
[۲] ″ ″ ″ ″ ″ ۲/ ۳۰۲
حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۲

اگرچہ بظاہر ہزار اظہار تنفر کے ساتھ ہو کہ یہ کراہتیں جیسی ہوتی ہیں سب کو معلوم ہے حقیقتِ حال یُوں منکشف ہو کہ اس مرد کی جگہ کسی اجنبی کو فرض کیجئے جس سے اس کا نکاح نہ کیا گیا ہو کیا اس وقت بھی یہ ایسی ہی ظاہری کراہتوں پر قناعت کرکے بالآخر جماع پر قدرت دے دے گی حاشا وکلا، تو صاف ثابت کہ یہ سب امور حقیقۃً قبول نکاح سے ناشی ہوتے بلکہ[۲۴] اس سے پہلے رخصت ہوکر جانا بھی اگرچہ بوجہ مفارقت اعزہ وخانۂ مالوفہ نہایت گریہ و بکا کے ساتھ ہو انصافاً دلیل رضا ہے کہ اگر اُسے اپنا شوہر ہونا پسند نہ کرتی اجنبی جانتی ہرگز زفاف کے لیے رخصت ہوکر اس کے یہاں نہ جاتی بلکہ[۲۵] اس سے بھی پہلے آرسی مصحف یعنی جلوہ کی رسم جہاں ہے بشرطیکہ عورت پہلے سے اس کے سامنے نہ آتی ہو وہ بھی دلیل قبول ہے کہ اگر غیر مرد سمجھتی زنہار منہ دکھانے پر راضی نہ ہوتی اسی[۲۶] طرح مُٹھی کھلوانے وغیرہ کی رسمیں بھی کہ جلوہ سے بھی پیشتر ہوتی ہیں دلالت وعلامت قرار پاسکتی ہیں اور ان تمام باتوں میں بکر وثیب یکساں ہیں کہ ان میں صرف مسئلہ سکوت میں فرق ہے باقی دلالتیں دونوں میں برابر ہیں تبیین الحقائق میں ہے:

لافرق بینھما فی اشتراط الاستئذان والرضا وان رضاھما قد یکون صریحا وقد یکون دلالۃ غیر ان سکوت البکر رضا دلالۃ لحیائھا دون الثیب[۱]۔

باکرہ اور ثیبہ دونوں کا معاملہ اجازت طلب کرنے اور رضا حاصل کرنے میں مساوی ہے اور ان کی رضا کبھی صراحۃً اور کبھی دلالۃً ہوتی ہے ہاں صرف اجازت کے موقعہ پر سکوت کے بارے میں فرق ہے کہ باکرہ کا سکوت اس کے حیاء کی وجہ سے رضا کی دلیل ہے مگر ثیبہ کیلئے نہیں۔ (ت)

غرض جب شرع سے قاعدہ کلیہ معلوم ہولیا کہ جس فعل سے اس نکاح پر عورت کی رضا ثابت ہو اذن و اجازت ہے اور بنظرِ تحقیق وانصاف جب اُس شخص اور مرد اجنبی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو یہ امور دلیلِ رضا و قبول نکلتے ہیں تو نفاذ نکاح کا انکار نہ کرے گا مگر جاہل بلکہ[۲۷] جب یہ طریقہ نکاح ہمارے بلاد میں عام طور پر رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ ضمن اذن میں دوسرے کو اذن دینے کا بھی عرفاً اذن مل گیا فان المعروف کالمشروط کما ھو من القواعد المقررۃ الفقھیۃ (جیسا کہ فقہی قواعد میں ہے کہ معروف، مشروط کی طرح ہے (یعنی عرف میں مقررہ امور بغیر ذکر بھی معتبر ہوں گے)۔ت) اور وکیل کو جب اذن توکیل ہو تو بیشک اُسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے فی الاشباہ لایوکل الوکیل الا باذن او تعمیم[۲] (اشباہ میں ہے کہ کوئی وکیل اپنا نائب وکیل مؤکل کی

---

[۱] تبیین الحقائق | باب الاولیاء والاکفاء | المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر | ۲/ ۱۱۹

[۲] الاشباہ والنظائر | کتاب الوکالۃ | ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی | ۲/ ۶

اجازت یا عمومی اختیار کے بغیر نہیں بنا سکتا ہے۔ ت) اس تقدیر پر یہ نکاح سرے سے نافذ و لازم واقع ہوا جس کی تنفیذ میں ان تدقیقات کی اصلاً حاجت نہ رہی مگر یہ جب ہی کہہ سکیں گے کہ اس طریقہ نکاح کی شہرت ایسی علم ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائیگا

والالوکن معروفا عندھن فلا یجعل کالمشروط فی حقھن تأمل و راجع مسئلۃ سعر الخبز وغیرہ فی البلد۔

ورنہ یہ لڑکیوں کے ہاں معروف نہیں ہوگا اس لیے ان کے حق میں مشروط کی طرح نہ ہوگا، غور کرو اور شہر میں روٹی کے بھاؤ وغیرہ کے مسئلہ کی طرف رجوع کرو۔ (ت)

یہ سب اُس تقدیر پر ہے کہ وکیل اصلی نے بعد نکاح کوئی کلمہ ایسا نہ کہا جو اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کرنے سے جائز ہو جائے گا اگرچہ اسے اذن توکیل اصلاً نہ ہو۔

فی الاشباہ الوکیل اذا وکل بغیر اذن و تعمیم واجاز ما فعلہ وکیلہ نفذ الا الطلاق و العتاق[1]

اشباہ میں ہے کہ اگر موکل کی اجازت کے بغیر یا عمومی اختیار حاصل کئے بغیر وکیل نے از خود دوسرا وکیل بنالیا تو دوسرے وکیل کے لیے عمل کو پہلے وکیل نے جائز قرار دیا تو یہ عمل نافذ ہو جائے گا ماسوائے طلاق اور عتاق کے ان میں نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

حموی میں ہے:

وکذا لو عقد اجنبی فاجاز الاول[2]

یوں ہی اگر وکیل کے لیے کسی اجنبی نے عمل کیا تو وکیل نے اسے جائز قرار دیا۔ (ت)

غرض ہر طرح پیش از جماع ان نکاحوں کے نافذ و لازم ہونے میں شبہہ نہیں تو اولاد قطعاً اولادِ حلال اور بالفرض ان باتوں سے قطع نظر کیجئے اور بتقدیر باطل ہی مان لیجئے کہ اصلاً ان امور سے کچھ واقع نہیں ہوتا تاہم جب ان بلاد میں عام مسلمین کو اس میں ابتلا ہے تو راہ یہ تھی کہ اس روایت پر عمل کریں جسے امام عصام نے اپنے متن میں اختیار فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی اور زاہدی نے قنیہ میں اس پر جزم کیا اور علامہ سیدی احمد طحطاوی نے اُس کی تائید کی یعنی وکیل بالنکاح جب دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے اور وہ اس کے سامنے پڑھا دے تو نکاح جائز و نافذ ہو جائے گا اگرچہ وکیل کو

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۱-۱۰

[2] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر " " " " ۲/ ۱۱

اذنِ توکیل نہ ہو۔

اما روایة عصام فقد سمعت، و اما الامام فقیہ النفس فقال فی وکالة الخانیة الوکیل بالتزویج لیس لہ ان یؤکل غیرہ فان فعل فزوج الثانی بحضرة الاول جاز[1] اھ واما القنیة ففی الدر لو استأذنہا فسکتت فوکل من یزوجہا ممن سماہ جاز ان عرفت الزوج والمھر کما فی القنیہ، و استشکلہ فی البحر بانہ لیس للوکیل ان یوکل بلا اذن فمقتضاہ عدم الجواز او انہا مستثناة[2] اھ قال ط قولہ فمقتضاہ عدم الجواز قد یقال ان الوکیل فی النکاح وان تعدد سفیر و معبر والحقوق ترجع الی الموکل فاذا لاضیر فی تعددہ لاسیما والزوج والمھر معلومان ویؤید ذٰلک ماذکرہ المص والشارح فی الوکالة حیث قالا الوکیل لایوکل الا باذن آمرہ الا اذا وکلہ فی دفع زکاة فوکل اٰخر

لیکن عصام کی روایت تو آپ نے سُن لی مگر امام فقیہ النفس (قاضی خاں) تو اُنھوں نے خانیہ کے باب وکالت میں فرمایا کہ نکاح کے وکیل نے اگر کسی کو وکیل بنایا تو یہ اس کو جائز نہیں، اور بنالیا تو دوسرے نے اگر پہلے کی موجودگی میں نکاح کیا تو جائز ہوگا اھ مگر قنیہ، تو دُر میں ہے کہ اگر وکیل نے لڑکی سے اذن لینا چاہا تو لڑکی خاموش رہی اور وکیل نے دوسرے شخص کو نامزد کیا تاکہ وُہ اس لڑکی کا نکاح کرے تو لڑکی کو اگر زوج کا نام اور مہر معلوم ہوجائے تو اس دوسرے وکیل کا کیا ہُوا نکاح جائز ہوگا، جیسا کہ قنیہ میں ہے، اس پر بحر میں اشکال کیا کہ وکیل از خود دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا، لہٰذا اس بنا پر دُوسرے کا نکاح صحیح نہیں ہونا چاہیے، یا یہ صورت مستثنیٰ قرار دی جائے اھ، اس پر طحطاوی نے فرمایا کہ اس کا قول 'عدمِ جواز چاہیے'، اس پر یُوں کہا جاسکتا ہے کہ نکاح کا وکیل صرف سفیر اور مُعبّر ہوتا ہے، وُہ اگر متعدد بھی ہوں تو حقوق صرف موکل کی طرف راجع ہوتے ہیں، تو یہ زیادہ بھی ہوں تو کوئی مضر نہیں خصوصاً جبکہ لڑکی کو خاوند اور مہر کا علم ہوجائے، اس کی تائید مصنف اور شارح کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے وکالت کی بحث میں ذکر کیا ہے جہاں پر انھوں نے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوکالة فصل فی التوکیل بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۰
[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

والوکیل بقبض الدین اذا وکل من فی عیالہ والا عند تقدیر الثمن من المؤکل للوکیل فیجوز التوکیل بلا اجازۃ لحصول المقصود اھ ففی مسئلتنا ھذہ تظھر ھذہ العلۃ وھی کالمسئلۃ الاخیرۃ بجامع التعیین فی کل فتکون مستثناۃ فتعین الجواب الثانی فی الشرح فتأمل اھ[1] ما فی ط۔

فرمایا کہ وکیل بغیر اجازت دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا مگر جب کسی وکیل نے زکوٰۃ دینے کے لئے کسی کو اور قرض وصول کرنے میں وکیل نے اپنے عیال کو اور وکیل کیلئے مؤکل کی طرف سے ثمن طے کر دینے کے بعد کسی دوسرے کو وکیل بنایا تو بلا اجازت یہ وکالت جائز ہوگی کیونکہ اس سے مقصد پورا ہو جاتا ہے اھ تو ہمارے اس مسئلہ میں بھی یہی علت ظاہر ہوئی اور یہ آخری مسئلہ کی طرح ہے کہ ان میں جامع علت مقصد کی تعیین ہے اس لیے یہ مستثنٰی قرار پائے گا' اورشارح کا جواب ثانی متعین ہوجائے گا، غور کر۔ طحطاوی کا بیان ختم ہوا۔ (ت)

اور اگر بحالت استیذان غیر اقرب سکوت ہُوا تو روایت امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی موجود کہ مطلقًا سکوت کافی ہے،

فی ردالمحتار تحت قولہ استأذنھا غیر الاقرب فلا عبرۃ لسکوتھا الخ وعن الکرخی یکفی سکوتھا فتح اھ[2]۔

ردالمحتار میں " لڑکی سے اجازت حاصل کرے کوئی غیر اقرب شخص تو اس صورت میں لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہیں الخ" کے تحت فرمایا، اور امام کرخی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کا سکوت رضامندی کے لیے کافی ہے، فتح اھ (ت)

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعتِ مطہرہ رفق و تیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق و تشدید، ولہذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہُوئیں علمائے کرام انھیں روایات کی طرف جُھکے ہیں جن کی بنا پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ ردالمحتار کی کتاب الحدود میں ہے:

ھو خلاف الواقع بین الناس وفیہ حرج عظیم لانہ یلزم منہ تاثیم الامۃ[3]۔

یہ لوگوں میں مروّج کے خلاف ہے اور بہت بڑا حرج ہے کیونکہ اس سے پوری امت کو گنہگار ٹھہرانا لازم آتا ہے۔ (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۰ - ۲۹
[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱
[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فیمن وطئ من زفت الیہ " " " ۳/ ۱۵۵

اسی کی کتاب الحظر میں ہے :

ھوارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان[1]

یہ بات موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لیے بڑی رعایت ہے تاکہ وہ فسق اور گناہ میں مبتلا نہ قرار پائیں ۔ (ت)

اسی کی کتاب البیوع میں ہے :

لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام ، فانہ لغلبۃ الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن ذٰلک بالنسبۃ الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبۃ الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج وماضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا امسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ کما یعلم من رسالتنا المسماۃ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف فراجعھا[2] اھ ملخصًا۔

ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا پایا جانا واضح ہے خصوصًا شام میں دمشق جیسے شہر کے لیے کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے ان کو مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ سے باز رہنے کا پابند نہیں کیا جا سکتا ، اگرچہ بعض لوگوں کو پابند بنانا ممکن ہے مگر عام لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے ، جبکہ عوام کو ان کی عادت سے منع کرنا ان کے لیے تنگی کا باعث ہے ، اور جہاں معاملہ تنگ ہوتا ہے تو وہ وسعت کا باعث ہوتا ہے اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ ظاہر روایت سے اختلاف کی وجہ یہی چیز ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے رسالہ " نشر العرف فی بناء الاحکام علی العرف " سے معلوم کیا جا سکتا ہے ، تو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے ، اھ ، ملخصًا ۔ (ت)

پس روشن ہوگیا کہ اگر روایاتِ عصام وکرخی ہی پر مسلمانوں کا ان سخت آفتوں سے بچانا منحصر ہوتا تو انھیں پر بنائے کار چاہئے تھی نہ کہ مذاہبِ صحیحہ مشہورۂ معتمدہ پر بالیقین یہ نکاح جائز و نافذ ہوں پھر بزور زبان یہاں کے عام مسلمان مردوں ، مسلمان عورتوں ، خدا کے پاکیزہ بندوں ، ستھری بندیوں کو معاذ اللہ زانی و زانیہ اولاد الزنا قرار دیا جائے ، ایسی ناپاک جرأت نہ کرے گا مگر سخت ناخدا ترس ۔

یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدًا ان کنتم مؤمنین[3]

اللہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو ۔

---

[1] رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۲۵

[2] " کتاب البیوع مطلب فی بیع الثمر والزرع الخ " " " ۴/۳۹

[3] القرآن ۲۴/۱۷

اور اس کے باقی ہذیانات کہ ولد حلال وحرام کی تمیز چنیں وچناں ہے کلماتِ جنوں سے بہت مشابہ جو لشدتِ اہوال قابلِ جواب نہیں **البتہ** اس قدر ضرور ہے کہ اس طریقۂ نکاح میں ایک بے احتیاطی ہے جس کے باعث بعض دقتوں میں پڑنے کا احتمال، تو اہلِ اسلام کو ہدایت چاہئے کہ اس سے باز آئیں، تین باتوں سے ایک اختیار کریں؛

اوّلاً سب سے بہتر یہ ہے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے عورت سے خاص اسی کے نام اذن طلب کریں اور یہ ہمیشہ ہر طریقہ میں ملحوظِ خاطر رہے کہ اذن لینے والا یا تو ولی اقرب یا اس کا وکیل یا رسول ہو یا عورت سے صراحۃً "ہُوں" کہلوالیں، مجرد سکوت پر قناعت نہ کریں، اور بعض احمق جاہلوں میں جو یہ دستور سُنا گیا ہے کہ دلہن کے سر سے بلا ٹالنے کو پاس بیٹھنے والیوں میں سے کوئی "ہُوں" کہہ دیتی ہے اس کا انسداد کریں۔

ثانیاً وکالت دوسرے ہی کے نام کرنا چاہیں تو یُوں سہی کہ جس طرح دُلھن سے اس کی وکالت کا اذن مانگیں یُونہی اسے اختیارِ توکیل دینا بھی طلب کریں یعنی کہیں تُونے فلاں بن فلاں بن فلاں کو فلاں بن فلاں بن فلاں کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کا وکیل کیا اور اسے اختیار دیا کہ چاہے خود پڑھائے یا دوسرے کو اپنا نائب بنائے، دُلھن کہے "ہُوں"۔

ثالثاً اگر یہ بھی نہ ہو اور دوسرے ہی شخص نے وکیل کے سامنے نکاح پڑھایا تو جب وہ پڑھا چکے وکیل فوراً اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کو جائز کیا اور اس کہنے میں تاخیر نہ کرے کہ مبادا اس کے جائز کرنے سے پہلے دُلھن کو خبرِ نکاح پہنچے اور اُس کی ہم عمریں حسبِ عادتِ زمانہ اُسے کچھ چھیڑیں اور وہ اپنی جہالت سے کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے جس سے یہ نکاح کہ اب تک نکاح فضولی تھا رد ہو جائے پھر وکیل تو وکیل خود دُلھن کے جائز کیے بھی جائز نہ ہوگا فان الاجازۃ لاتلحق المفسوخ (کیونکہ فسخ شدہ نکاح کو بعد کی اجازت مفید نہیں ہے۔ت) بخلاف ان تینوں شکلوں کے کہ بالکل اندیشہ و دغدغہ سے پاک ہیں۔

رہا زید کا کنگنے وغیرہ کو ذکر کرنا، وہ محض فضول کہ آخر یہ رسمیں کفر تو نہیں جن کے باعث نکاح نہ ہو۔ ہاں معاذ اللہ اگر مرد یا عورت نے پیش از نکاح کفرِ صریح کا ارتکاب کیا تھا اور بے توبہ و اسلام اُن کا نکاح کیا گیا تو قطعاً نکاح باطل، اور اس سے جو اولاد ہوگی ولد الزنا، اسی طرح اگر بعد نکاح اُن میں کوئی معاذ اللہ مرتد ہوگیا اور اس کے بعد کے جماع سے اولاد ہوئی تو وہ بھی حرامی ہوگی اس کے سوا وہ کلمات جن پر فتاوٰی وغیرہا میں خلافِ تحقیق حکمِ کفر لکھ دیتے ہیں اور وہ کلمات جن میں کوئی ضعیف مرجوح روایت بھی اگرچہ اور کسی امام کے مذہب میں عدمِ کفر کی نکل آئے اُن کے ارتکاب سے گو تجدیدِ اسلام و نکاح کا حکم دیں مگر اولاد اولادِ زنا نہیں۔

فی الدرالمختار وغیرہ مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار و تجدید النکاح اھ[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

درمختار وغیرہ میں ہے جو چیز بالاتفاق کفر ہو اس کے ارتکاب سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کے بعد کی اولاد، ولدِزنا ہوگی اور جس چیز کے کفر میں اختلاف ہو اس کے ارتکاب پر توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کا حکم ہوگا اھ۔ واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از رامپور افغانان فرنگن محل بزریہ ملا ظریف مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب چاٹگامی ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ اس ملک بنگالہ میں زمانہ قدیم سے درمیان عوام بلکہ اکثر خواص کے بھی یہی دستور ہے کہ بعد خواستگاری اور قول اقرار مربیان طرفین اور قبل ایجاب وقبول کے مخطوبہ کو بعد ضیافت براتیان کے مکان میں لاکر اس طور پر نکاح کراتے ہیں کہ چند مربیان عاقدین بالغین و چند بزرگانِ مجلس کی اجازت سے ایک شخص کو اُس مجلس والے وکیل مخطوبہ قرار دے کر اور دو گواہ یا تین چار گواہ کو اس وکیل کے ساتھ کرکے دولھا کی مخطوبہ کے پاس جو قریب پردہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے روانہ کرتے ہیں اب یہ وکیل مخطوبہ کے قریب گواہوں کے ساتھ جاکر مخطوبہ سے تین بار اس طرح سے قبول کراتا ہے کہ اے فاطمہ زید کی بیٹی! تُو نے بکر کو جو خالد کا پسر ہے اس قدر مہر پر جو اس کے اُوپر واجب الادا ہوگا اپنی زوجیت میں قبول کیا، تو فاطمہ بآوازِ بلند کہتی ہے کہ میں نے قبول کیا، یا فقط "قبول کیا" کہہ دیا، اور اس قبول مخطوبہ کو گواہان نے بھی سُن لیا اب پھر وُہ وکیل خاطب کی مجلس میں اپنے گواہان کے ساتھ حاضر ہوتا ہے تو جو قاضی عقد کرانے کو دُولھا کے پاس بیٹھا ہے وہ اُس وکیل سے سوال کرتا ہے کہ تُو کون ہے، تو وُہ وکیل جواب دیتا ہے کہ میں فاطمہ مخطوبہ کا وکیل ہوں، تو قاضی دریافت کرتا ہے کہ تُو کیا جانتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے کہ فاطمہ دخترِ زید نے بکر پسر خالد کو اپنی زوجیت میں قبول کیا ہے اور میں نے قبول کرایا ہے، پھر قاضی سوال کرتا ہے کہ تمہارا کوئی گواہ بھی ہے تو وکیل اپنے گواہوں کی طرف اشارہ کرکے بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ گواہ موجود ہیں تو قاضی پھر ان گواہوں کی طرف متوجہ ہوکر ہر ایک گواہ سے الگ الگ سوال کرتا ہے اور گواہ لوگ اپنی سماعت بیان کرتے ہیں یعنی فاطمہ نے بکر کو قبول کیا، اب جب قاضی کو سماعتِ شہادت سے فراغت ہُوئی تو بتعلیمِ قاضی یا خود وکیل مذکور بکر کو قبول

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

کراتا ہے کہ تُو نے فاطمہ دختر زید کو اس قدر (سَو روپے یا ہزار مثلاً) مہر اپنے ذمہ لے کر قبول کیا یا قبلت تو بکر اقرار کرتا ہے کہ میں نے ہندہ کو قبول کیا یا فقط قبول کیا یا قبلت کہہ دیا پھر قاضی خطبہ وغیرہ پڑھ کر مجلس عقد ختم کر دیتا ہے تو اب صورتِ مذکورہ میں فاطمہ اور بکر کا نکاح منعقد ہُوا یا نہیں، بر تقدیر اول بعض علماء کو یہ شبہہ ہے کہ یہ وکیل مذکور نہ تو خاطب کی طرف سے مقرر ہُوا نہ مخطوبہ کی طرف سے، حالانکہ یہ دونوں بالغ ہیں اور بالغ کا نکاح بلا اذن عاقدین کیونکر ہو سکتا ہے، اور بر تقدیر ثانی ہزاروں آدمی حرامزادے قرار پاتے ہیں اور یہ ایجاب وقبول مذکور کیا قرار پائیں گے، کیا نکاح مذکور بالکل معدوم قرار دیا جائے گا، کیا نکاح فضولی سے بھی خارج ہوگیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس مسئلہ میں ابانت جواب اور بتوفیقہ تعالٰی اصابت صواب محتاج نظر غائر وفکر دقیق۔

فاقول [۲۹] وباللہ التوفیق تحقیق مقام یہ ہے کہ سفیر مذکور جسے وُہ عوام وکیل مخطوبہ ٹھہراتے ہیں اس کا مخطوبہ وخاطب دونوں سے خطاب مذکور بصورت استفہام ہے اگرچہ حرف استفہام مقدر ہے اور استفہامؔ عقدؔ اقسامِ انشا سے دو قسم متبائن ہیں تو جہاں حقیقت استفہام مقصود ومفہوم ہو وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پا سکتا، ہاں اگر صورۃً استفہام اور معنیً تحقیق عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا مگر اس کے لئے قیام قرینہ درکار کما ھو شان کل مجاز (جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے۔ت) ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر زید نے عمرو سے کہا تُو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اس نے کہا "دی" یا "ہاں"، نکاح نہ ہوگا جب تک زید اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" نہ کہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

لو قال رجل لآخر زوجتنی ابنتك فقال الأخر زوجت او قال نعم مجیبا له لم یکن نکاحا ما لم یقل الموجب بعدہ قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف زوجنی لانه توکیل[1]

اگر ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کر دی، دوسرے نے جواب میں کہا کہ نکاح کر دی' یا "ہاں" کہہ دیا تو نکاح نہ ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا بعد میں یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کی، کیونکہ پہلے کا یہ کہنا کہ تُو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کر دی، یہ صرف طلب خبر ہے عقدِ نکاح نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر پہلا یہ کہتا کہ تُو مجھے نکاح کر دے، تو اس سے دوسرا وکیل بن جاتا اور اس کا "نکاح کر دی" کہنے سے نکاح ہو جاتا۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

رجل قال لاٰخر دختر خویش فلانہ مرادہ بزنی فقال دادم وھی صغیرۃ ینعقد النکاح وان لم یقل الزوج قبلت ولوقال دادی لا یجوز اذا قال دادم مالم یقل الزوج پذیرفتم الخ[1]۔

ایک شخص نے دُوسرے کو کہا تُو اپنی فلاں لڑکی مجھے بیوی کے طور دے دے، تو دوسرے نے کہا میں نے دی۔ اس صورت میں اگر وُہ لڑکی نابالغہ ہو تو پہلے کے قبلت (میں نے قبول کی) کہے بغیر نکاح ہوجائے گا، اور پہلے نے یہ کہا ہو کہ تو نے مجھے دی ہے تو دوسرے کے "دے دی" کہنے سے نکاح نہ ہوگا جب تک پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

فتاوی امام قاضی خاں وہندیہ میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے ہے:

اذا قال لاب البنت زوجتنی ابنتك فقال زوجت اوقال نعم لایکون نکاحا الاان یقول له الرجل بعد ذٰلك قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف قوله زوجنی لانه توکیل[2] اھ باختصار۔

جب ایک شخص نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تُو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے نکاح کردی یا "ہاں" کہا تو نکاح نہ ہوگا مگر یہ کہ بعد میں پہلا شخص "میں نے قبول کی" کہہ دے تو نکاح ہوجائیگا کیونکہ "تو نے نکاح کردی" کا لفظ خبر کے حصول کےلئے ہے اور عقد نکاح نہیں ہے۔ اس کے بخلاف اگر پہلا یُوں کہتا "تو مجھے نکاح کردے" تو بطور توکیل نکاح ہوجاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

نیز خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ بالفارسیة دختر خویش را مرا دادی فقال دادم لایکون نکاحا[3]۔

ایک شخص نے دوسرے کو فارسی میں کہا تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو جواب میں دوسرے نے کہا دے دی، تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح کتبِ معتبرہ کثیرہ میں ہے، یہ اصل استفہام کا حکم ہے،

فالاطلاق انما ھو بالنظر الی الحقیقة

کلام میں اطلاق حقیقی معنیٰ کے لحاظ سے ہوتا ہے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی | کتاب النکاح | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۲/۴
خزانۃ المفتین | " | قلمی نسخہ | ۱/۷۶
[2] و [3] فتاوٰی قاضی خان | " | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۴۹

اما لو اطلقت عـه فهی مقیدۃ حقیقۃ بما اذا لم یرد بہ التحقیق۔

اور اگر عام کر دیا جائے تو پھر اس وقت حقیقی معنیٰ مراد لینے کے لئے مجازی معنیٰ (تحقیق عقد) مراد نہ ہونے کی قید ضرور ہوگی۔ (ت)

یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ہنگام ارادۂ تحقیق عقد تام ہے، فتاوٰی ظہیریہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

لوقال بالفارسیۃ دختر خویش مرا دادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلا یصیر وکیلا الا اذا اراد بہ التحقیق دون الاستیام۔[1]

اگر ایک نے دوسرے سے فارسی میں کہا کہ تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو دوسرے نے کہا "دی" تو نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہ پہلے کا کلام، طلبِ خبر ہے اور طلب وعدہ ہے لہذا اس کلام سے دُوسرا پہلے کے لیے وکیل نہ ہوسکے گا، مگر یہ کہ پہلے نے اپنی کلام سے تحقیق عقد (مجازی معنیٰ) مراد لیا ہو تو نکاح ہوجائے گا اور استفہام کا حقیقی معنیٰ استفسار اور منگنی و استخبار ہو تو نکاح نہ ہوگا (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

قال لہ دختر خود فلانہ رابمن دہ فقال دادم وھی صغیرۃ انعقد وان لم یقل قبلت لانہ توکیل ولو قال بمن دادی لا، الا اذا قال دادم وقال الزوج پذیرفتم، الا اذا اراد بدادی التحقیق۔[2]

ایک نے دوسرے سے کہا کہ اپنی فلاں لڑکی مجھے دے، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے دی، تو نابالغہ لڑکی ہو تو نکاح ہوجائیگا اگرچہ پہلے نے اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہا ہو کیونکہ "اپنی لڑکی دے" کہنا دوسرے کو وکیل بنانا ہے، اور اگر پہلے نے یہ کہا ہو کہ "تُو نے مجھے دی" تو پھر نکاح نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب دوسرے نے "میں نے دی" کہا اور پہلے نے اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" کہا ہو، ہاں اگر پہلے نے "دادی" کے لفظ سے استفہام کی بجائے تحقیق عقد مراد لی ہو۔ (ت)

عـه ای جعلت الکلام مطلقا شاملا للحقیقۃ والمجاز و بالجملۃ فالتقیید موجب للاطلاق والاطلاق موجب للتقیید فافھم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

یعنی کلام کو اطلاق پر رکھ کر عام کر دیا جائے یوں کہ حقیقت اور مجاز دونوں کو شامل ہو۔ خلاصہ یہ کہ کلام کو حقیقت سے مقید کرنا، دلالت میں اطلاق کو چاہتا ہے، اور کلام کو عام کرنا (حقیقت و مجاز کو شامل کرنا) عدمِ مجاز کی قید کو چاہتا ہے، غور کرو۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/ ۷۶
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۰

محیط و ہندیہ میں ہے:

لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیرفتم الا اذا اراد بقوله دادی التحقیق دون السوم[1] الخ۔

منگنی پُوچھنے والا جب تک لڑکی کے باپ کے جواب کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہے گا نکاح نہ ہوگا، مگر یہ کہ اس کے اس کہنے "مجھے تُونے اپنی لڑکی دی" سے مراد منگنی نہ ہو بلکہ تحقیق مراد ہے الخ (ت)

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے:

قوله دادی استخبار فلا یثبت التوکیل به نعم اذا اراد بقوله دادی التحقیق دون السوم ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیرفتم[2] الخ۔

ایک کا کہنا "تُونے دی" یہ طلب خبر ہے اس سے توکیل ثابت نہ ہوگی۔ ہاں اگر "تُونے دی" سے مراد منگنی کی بجائے تحقیق ہو تو نکاح ہوجائے گا اگرچہ بعد میں یہ کہنے والا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

یہی محمل ہے اس فرع ذخیرہ وہندیہ کا:

قیل لامرأۃ خویشتن را زن من کردی فقالت کردم ینعقد النکاح وکذا لوقال خویشتن را زن من گردانیدی فقالت گردانیدم[3]۔

اگر کسی عورت کو یہ کہا گیا تُونے اپنے کو میری بیوی کردیا تو عورت نے کہا "میں نے کردیا" تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور یونہی اگر کسی نے عورت کو کہا تُونے اپنے کو میری بیوی بنادیا، تو عورت نے کہا "میں نے بنادیا" نکاح ہوجائے گا (ت)

اور اس فرع محیط و ہندیہ کا

سئل نجم الدین عمن قال لامرأۃ خویشتن را بهزار درم کابین من بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعۃ قال ینعقد النکاح ولو قالت سپاس دارم لاینعقد لان الاول

نجم الدین سے سوال کیا گیا کہ جس نے کسی عورت کو کہا کہ تُونے اپنے کو ہزار مہر کے بدلے میری بیوی کردیا تو عورت نے جواب میں کہا "سُنا اور اطاعت کی" تو انھوں نے فرمایا: نکاح منعقد ہوگیا، اور اگر عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ　کتاب النکاح　الباب الثانی　نورانی کتب خانہ پشاور　۱/۲۷۱
[2] ذخیرۃ العقبٰی　"　　نولکشور کانپور　۲/۱۷۶
[3] فتاوٰی ہندیہ　"　الباب الثانی　نورانی کتب خانہ پشاور　۱/۲۷۱

اجابة والثانی وعد[1] نے جواب میں یوں کہا "پسند کرتی ہوں" تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ پہلا جواب، قبولیت ہے اور دوسرا صرف وعدہ ہے۔ (ت)

لاجرم قول فیصل یہ قرار پایا کہ مدار کار مفہوم و مستفاد بنظر احوال و قرائن استعمال پر ہے، زید نے کہا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی، عمرو نے کہا دی۔ اگر مجلس منگنی کی تھی منگنی ہوئی اور نکاح کی تھی تو نکاح ہوگیا، درمختار میں ہے:

وکذا (ای فی کونه ایجابا قوله) انا متزوجك اوجئتك خاطبا لعدم جریان المساومة فی النکاح او هل اعطیتنیها ان کان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[2]

یُوں ہی الفاظ ایجاب میں سے یہ بھی ہیں "میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں" یا "میں پیغامِ نکاح دینے کے لیے آیا ہوں" یا "کیا تُو نے مجھے لڑکی دی"، ان صُورتوں میں اگر مجلس نکاح ہے تو نکاح قرار پائیگا اور اگر یہ مجلسِ منگنی ہو تو منگنی قرار پائے گی، کیونکہ نکاح میں بھاؤ جاری نہیں ہوتا صرف منگنی یا نکاح ہوتا ہے۔ (ت)

شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی پھر شرح قدوری للزاہدی پھر القرویہ و واقعات المفتیین میں ہے:

قال له هل اعطیتنیها فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد النکاح فنکاح[3]

ایک نے دوسرے کو کہا تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی ہے تو دوسرے نے کہا میں نے دی، تو اگر یہ مجلسِ نکاح ہو تو نکاح ہوگا اور مجلسِ منگنی ہو تو منگنی ہوگی (ت)

فتح القدیر و ردالمحتار میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظة من جهة الشرع فی ثبوت الانعقاد ولزوم حکمه جانب الرضی عدینا حکمه الی کل لفظ یفید ذلك بلا احتمال مساو للطرف الأخر فقلنا لو قال بالمضارع ذی الهمزة اتزوجك فقالت زوجت نفسی انعقد و

جب ہمیں معلوم ہُوا کہ نکاح کے منعقد ہونے اور اس حکم کے لازم ہونے میں شریعت نے رضا والے پہلو کا لحاظ کیا ہے، تو ہم نے اس پر نکاح بے حکم کو ایسے الفاظ تک پھیلایا جو رضا کے اظہار کا فائدہ دے سکتے ہیں بشرطیکہ یہ رضا کے خلاف کا مساوی طور پر احتمال نہ رکھتے ہوں اس لیے ہم نے یہ کہا کہ اگر کسی نے مضارع واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے یوں کہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱
[2] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵
[3] فتاوٰی القرویہ " دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/ ۳۳

فی المبدوء بالتاء تزوجنی بنتك فقال فعلت عند عدم قصد الاستیعاد لانه یتحقق فیه هذا الاحتمال بخلاف الاول لانه لایستخبر نفسه عن الوعد واذا کان کذلك والنکاح مما لایجری فیه المساومة کان للتحقیق فی الحال فانعقد به لاباعتبار وضعه للانشاء بل باعتبار استعماله فی غرض تحقیقه واستفادة الرضی منه حتی قلنا لوصرح بالاستفهام اعتبر فهم الحال، قال فی شرح الطحاوی لو قال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح[1] اھ

"میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں" تو عورت نے اس کے جواب میں کہا "میں نے اپنا نکاح کیا" تو نکاح ہوجائے گا۔ اگر کسی نے مضارع واحد مخاطب کے صیغہ کو استعمال کیا اور یوں کہا "تُو اپنی بیٹی مجھ سے نکاح کردے گا" تو جواب میں دوسرے نے کہا "میں نے کردیا" جب اس سے وعدہ کا ارادہ نہ ہو تو یہ الفاظ بھی چونکہ رضامندی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے نکاح ہوجائے گا۔ اس کے بخلاف پہلی صورت میں وعدہ کا احتمال نہیں کیونکہ خود متکلم مضارع کے صیغہ سے اپنی ذات کے بارے میں وعدہ کی خبر نہیں دیتا، جب یہ معاملہ ہے تو اس صورت میں فی الحال نکاح کو قائم کرنا مقصود ہے تو اُسی وقت نکاح ہوجائے گا، کیونکہ نکاح میں مذکورہ الفاظ سے بھاؤ تاؤ مراد نہیں ہوسکتا، تو ایسے الفاظ سے نکاح کا انعقاد اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لیے وضع ہیں بلکہ اس لیے کہ ان الفاظ کا استعمال مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا اور ان سے رضامندی کا اظہار بھی ہوتا ہے، حتی کہ ہم یہ کہیں گے اگر کسی نے ان الفاظ سے صراحۃً استفہام مراد لیا تو پھر حال کا اعتبار کیا جائے گا، طحاوی کی شرح میں فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا: کیا تُو نے اپنی بیٹی مجھے دی ہے" تو دوسرے نے جواب میں کہا کہ "میں نے دی ہے" تو اس صورت میں اگر مجلسِ منگنی ہو تو یہ منگنی ہوگی اور یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا اھ (ت)

اس تحقیق انیق سے عبارات ملتئم ہوگئیں اور حکم منتظم وتمام الکلام علی مسألۃ الاستفہام فیما علقناہ علٰی رد المحتار (اور مسئلہ استفہام پر مکمل کلام ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ ت) جب یہ اصل منقح ہولی اب صورت مستفسرہ کی طرف چلئے شخص مذکور کہ مجلس خاطب سے اُٹھ کر مخطوبہ کے پاس جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے نہ خاطب سے اذن لیا نہ مخطوبہ سے، اور وہ دونوں بالغ ہیں کہ اُن کے معاملہ میں غیر کا اذن کوئی چیز نہیں تو اُسے وکالت سے کیا علاقہ، یقیناً فضولی محض ہوتا ہے مگر ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴

کے نزدیک عقدِ فضولی محض فضول و نامقبول نہیں بلکہ منعقد ہوجاتا ہے اور اجازتِ صاحبِ اجازت پر موقوف رہتا ہے کما نصوا علیہ فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ فقہائے نے تمام کتابوں میں اس پر نص کی ہے۔ ت) پس اگر اس کلام سے کہ یہ فضولی مخطوبہ سے کہتا ہے تحقیقِ عقد مراد و مفہوم ہوتی تو اُسی وقت انعقادِ نکاح میں شبہہ نہ تھا اس کا کلام ایجاب ہُوا اور مخطوبہ کا جواب قبولِ عقد موقوفاً منعقد ہوگیا، اُس کے بعد جب فضولی مذکورہ خواہ دوسرے شخص نے خاطب کو اس کی خبر دی اور اس نے اظہارِ قبول کیا، یہ صراحۃً اس عقد موقوف کی تنفیذ ہُوئی اور نکاح تام و نافذ و لازم ہوگیا، "قبول کیا میں نے" اور "قبول کیا" دونوں یکساں ہیں کہ جب "تو نے قبول کیا" کے جواب میں "قبول کیا" کہا تو اس کے صاف یہی معنی ہوئے کہ "میں نے قبول کیا" لان السؤال معاد فی الجواب (کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے۔ ت)

ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

قیل لامرأۃ خویشتن را بفلاں بزنے دادی فقالت دادو قیل للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت ینعقد النکاح وان لم تقل المرأۃ دادم والزوج پذیرفتم[1]

اگر کسی عورت کو کہا جائے کہ "تُو نے اپنے کو فلاں کی بیوی بنا دیا" تو عورت نے جواب میں کہا "بنا دیا" تو خاوند کو کہا گیا "تو نے قبول کی" اس نے کہا "قبول کی" تو نکاح ہوجائیگا اگرچہ عورت اور مرد نے "میں نے قبول کیا" یا "میں نے اپنا نکاح دیا" نہ کہا ہو۔ (ت)

اصلاح و ایضاح میں ہے:

قولہما داد پذیرفت بعد دادی و پذیرفتی ایجاب وقبول لمکان العرف فان جواب مثل ہذا الکلام قد یذکر بالمیم وبدونہ کفروخت وخرید فی البیع[2]

"تُو نے دی، تُو نے قبول کی" کے الفاظ کے بعد صرف "دی" "قبول کی" کہنا عرف کی بنا پر ایجاب قبول ہے، کیونکہ ایسی کلام کے جواب میں متکلم کا صیغہ ضروری نہیں ہے، جیسے بیع میں صرف "خرید و فروخت" کا لفظ استعمال کرلیا جاتا ہے۔ (ت)

اقول[3] جب فارسی میں داد و دادم و پذیرفت و پذیرفتم کا ایک حکم ہے تو اردو میں بدرجۂ اولیٰ فان صیغۃ الماضی بالفارسیۃ للغائب کیونکہ فارسی میں ماضی غائب اور متکلم کا صیغہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱

[2] اصلاح و ایضاح

غیرھا للمتکلم بخلاف لساننا فانما ھی صیغۃ واحدۃ للغائب والحاضر والمتکلم جمیعا وانما یفرق بالضمائر او ذکر الظاھر الاتری ان الفرس تقول اوکرد و تو کردی و من کردم و نحن نقول فی الکل اس نے کیا، تو نے کیا، میں نے کیا وکذلک فی الفعل اللازم وہ آیا تو آیا میں آیا وانما یفرق فیہ بین الواحد والجمع والمذکر والمؤنث فصیغہ فی اللازم اربع آیا آئی للواحد المذکر والمؤنث و آئے آئیں للجمعین کذلک و فی المتعدی صیغۃ واحدۃ للکل وھو کیا مثلا سواء اسند تہ الی اس او انھوں او تو او ہم للذکر او الذکور او الانثی او الاناث او لھم ذکرانا و اناثا ولا فرق بین الغائب والحاضر والمتکلم فی شیئ منھما اصلا وبہ تبین بطلان ما عم من یزعم ان قول الخاطب قبول کی بدون میں نے لاینعقد بہ النکاح لعدم تعین القابل۔

علیحدہ ہے جبکہ ہماری زبان میں ماضی غائب، حاضر اور متکلم کا ایک ہی صیغہ ہے جو صرف ضمیر یا اسم ظاہر کی تبدیلی میں فرق پیدا کرتا ہے، آپ دیکھیں کہ فارسی والے اوکرد، تو کردی اور من کردم، ہر ایک کے لیے علیحدہ صیغہ استعمال کرتے ہیں جبکہ ہم سب کے لیے صرف "کیا" کہتے ہیں، اس نے کیا، تو نے کیا، میں نے کیا، اور یوں ہی ہماری زبان میں فعل لازم کا بھی ایک ہی صیغہ ہے جو ضمیر لگانے سے غائب، حاضر اور متکلم کا فرق ظاہر کرتا ہے مثلاً وہ آیا، تو آیا، میں آیا، البتہ واحد جمع اور مذکر و مونث کے لحاظ سے لازم کے چار صیغے ہیں۔ آیا، آئی واحد مونث و مذکر کے لیے آئے اور آئیں جمع مذکر و مونث کے لیے ہیں۔ اور فعل متعدی کا صرف ایک صیغہ ہے۔ اور یہ "کیا" ہے اس کو بھی ضمیر لگا کر واحد مذکر و مونث، جمع مذکر و مونث کے ساتھ غائب، حاضر اور متکلم کا فرق کیا جاتا ہے مثلاً اس نے کیا، تو نے کیا، میں نے کیا، غرضیکہ اردو میں فعل لازم اور متعدی کے لیے غائب، حاضر اور متکلم کا ضمیروں کے بغیر کوئی فرق نہیں ہے۔ اس بحث سے واضح ہوگیا کہ بعض کا خیال غلط ہے کہ شادی کا پیغام دینے والے پہلے شخص کا دوسرے کے "میں نے دی" کے جواب میں صرف "قبول کی" کہنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ "میں نے" ذکر نہ کرے کیونکہ اس سے قبول کرنے والے کا تعین نہیں ہوتا لہذا "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہے (اس خیال کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں غائب، حاضر اور متکلم کے لیے صیغہ کا فرق نہیں ہے)۔ (ت)

مگر تقریر مذکور سوال سے ظاہر یہ ہے کہ فضولی کا مخطوبہ سے وہ کلام بقصد انشائے عقد نہیں ہوتا، نہ وہ مجلس مجلسِ عقد سمجھی جاتی ہے بلکہ اُسے اپنے زعم میں ہندہ سے طلب اذن کی مجلس سمجھتے اور اس گفتگو کو استیذان جانتے اور مجلس عقد مجلس خاطب کو قرار دیتے ہیں جب یہ وہاں سے واپس آکر خاطب سے خطاب کرتا ہے

ولہذا پلٹ کر قاضی کے پاس جاتا ہے جو عقد کرانے کو دُولھا کے پاس بیٹھا ہے اور اُس کے سوال پر اپنے آپ کو وکیل مخطوبہ ظاہر کرتا ہے اور اس کے قبول یعنی رضا سے خبر دیتا ہے، ان قرائن واضحہ سے مجلس مخطوبہ کا مجلس عقد نہ ہونا ظاہر، اور لااقل اتنا تو بدیہی کہ ارادہ عقد ظاہر نہیں معنیِ مجاز مراد نہ ہوسکنے کو اسی قدر بس ہے۔

فان المجاز مفتقر الی قرینۃ تظهر ارادتہ فحیث لا قرینۃ ترجح جانبہ لا تصح ارادتہ کما علمت من قول المحقق علی الاطلاق بلا احتمال مساو للطرف الاخر واذا کان الامر علی ماوصفنا لم یصح جعل الاستفهام تحقیقا کما دریت۔

کیونکہ مجاز ایسے قرینے کا محتاج ہے جس سے متکلم کا ارادہ واضح ہوسکے، توجہاں ایسا قرینہ نہ ہو جو مراد کو واضح کرسکے وہاں اس معنیِ مجازی کو مراد نہیں لیا جاسکتا، جیسا کہ محقق علی الاطلاق کے قول "غیر کا مساوی احتمال نہ ہو" سے واضح معلوم ہوا، جب معاملہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو استفہام کا مجازی معنی، تحقیق عقد قرینے کے بغیر مراد لینا درست نہ ہوگا، جیسا کہ آپ نے سمجھ لیا۔ (ت)

اب قبول مخطوبہ کو ایک رکن عقد یعنی ایجاب قرار دیجئے تو باطل محض ہے کہ اس ایجاب کا قبول جب کر دوسری مجلس خاطب میں ہوگا اور کوئی ایجاب مجلس سے باہر قبول پر موقوف نہیں رہ سکتا

کما نصوا علیہ فی عامۃ الکتب وفی النهر والدر من شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس[1] وفی التنویر وشرحیہ لا یتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرهما بل یبطل الایجاب ولا تلحقہ الاجازۃ اتفاقا[2]۔

جیسا کہ فقہائے کرام نے عام کتب میں اس کی تصریح کردی ہے۔ نہر اور دُر میں ہے کہ ایجاب و قبول کے معتبر ہونے میں مجلس کا اتحاد ضروری ہے۔ اور تنویر اور اس کی دونوں شرحوں میں ہے کہ ایجاب مجلس سے کسی غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا، تمام عقود، نکاح و بیع وغیرہما کا یہی حکم ہے کہ ایجاب بالاتفاق باطل ہوجاتا ہے اور اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔

اور اگر توکیل ٹھہرائیے تو اس کی طرف بھی راہ نہیں، توکیل دوسرے کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنا نائب بنانا ہے، انابت کا اصلاً کوئی ذکر نہ کلام شخص مذکور میں تھا نہ کلامِ مخطوبہ میں، تو اس کا حاصل صرف اس قدر ہُوا کہ مخطوبہ نے اس کے سامنے زید کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کی رضا ظاہر کی یہ توکیل نہ ہُوئی۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ " " " ۱/ ۱۹۶

تنویر الابصار میں ہے :

ھواقامۃ الغیر مقام نفسہ فی تصرف جائز معلوم[1] وہ یہ کہ غیر کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنے قائم مقام بنانا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں زید نے عمرو سے کہا کاش ! تُو میرا نکاح فلاں عورت سے کردیتا، اس نے کردیا، یہ نکاح، نکاحِ فضولی ہُوا، حالانکہ یہاں صراحۃً عمرو سے استعانت تھی تو مجرد اس قدر کہ اس نے کہا تُو فلاں سے نکاح پر راضی ہے ؟ اس نے کہا "ہُوں" کیونکر توکیل ہوسکتی ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے :

سئل فی رجل قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم قال بمجلس لرجل لیتک تزوجنی فلانۃ ھل اذا زوجہ یحنث ام لا اجاب لا یحنث لانہ لم یتزوج بل زوجہ المزوج فضولی بلا شک والحال ھذہ[2] الخ۔ ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا ہو کہ جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے پھر اس شخص نے کسی مجلس میں ایک آدمی کو کہا کاش کہ تُو فلاں عورت سے میرا نکاح کردے، تو اس آدمی نے اس کا نکاح اس عورت سے کردیا، تو کیا حانث ہوگا یعنی اس عورت کو طلاق ہوجائیگی یا نہیں ؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اس کا نکاح ایک غیر شخص (فضولی) نے کیا ہے اور بلاشک معاملہ یہی ہے الخ (ت)

بالجملہ اس وقت تک کی جو کارروائی تھی لغو و فضول گئی۔ اب رہا وہاں سے واپسی کے بعد شخص مذکور کا خاطب سے خطاب، یہاں ضرور تحقیق عقد ہی مقصود ہے کہ ان کے زعم میں مجلس مخطوبہ مجلس توکیل تھی اب کہ یہ اپنے نزدیک وکیل بن کر آیا اس مجلس عقد میں عقد کرتا ہے تو یہ استفہام حقیقۃً ایجاب ہُوا اور زوج کا کہنا قبول کیا قبول۔

اقول وباللہ التوفیق، تحقیق مقام یہ ہے کہ استفہام ہنگام ارادہ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے قال اللہ تعالٰی فھل انتم منتھون ای انتھوا[3] اللہ تعالٰی نے فرمایا : کیا تم باز آؤ گے ؟ اس سے مراد

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوکالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح فصل فی نکاح الفضولی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷

[3] تفسیر جلالین تحت الآیۃ فھل انتم منتھون اصح المطابع دہلی ص ۱۰۶

وقال تعالٰی اتصبرون وکان ربک بصیرا ای اصبروا[1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھل انتم تارکوا لی صاحبی[2] ای اترکوا۔

یہ ہے کہ باز آؤ۔ اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا رب تعالٰی بصیر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ صبر کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھے میرے صاحب کے بارے میں چھوڑو گے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ تم چھوڑو (ت)

تو "تُو نے قبول کیا" بمعنی "قبول کر" ہے، اور امر میں اگرچہ ہمارے علمائے مختلف ہوئے کہ وہ توکیل ہے یا ایجاب۔

فی الدر المختار زوجنی او زوجینی نفسك اوکونی امرأتی لیس بایجاب بل توکیل ضمنی وقیل ایجاب ورجحه فی البحر[3] اھ مختصرا وفی رد المحتار مشی علی الاول فی الھدایة والمجمع ونسبه فی الفتح الی المحققین وعلی الثانی ظاھر الکنز و اعترضه فی الدر بانه مخالف لکلامھم واجاب فی البحر والنھر بانه صرح به فی الخلاصة والخانیة قال فی الخانیة و لفظة الامر فی النکاح ایجاب وکذا فی الخلع والطلاق والکفالة والھبة اھ قال فی الفتح وھو احسن[4] الخ

درمختار میں ہے: تو میرا نکاح کر دے، اے عورت تُو میرا نکاح کر، یا اس کو کہا تُو میری بیوی ہوجا، تو یہ کلمات ایجاب نہ ہوں گے بلکہ ضمناً توکیل ہوگی۔ بعض نے کہا کہ یہ ایجاب ہے، اور بحر میں اسی کو ترجیح دی ہے اھ مختصراً۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ اور مجمع میں پہلے قول کو اپنایا ہے اور اس کو فتح میں محققین کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے پر کنز نے ظاہر کہا ہے، اور اس پر درر میں اعتراض کیا ہے کہ یہ علماء کے قول کے مخالف ہے، اور اس کا جواب بحر اور نہر میں یہ دیا گیا کہ خلاصہ اور خانیہ میں اس پر تصریح کی ہے۔ اور خانیہ میں فرمایا کہ امر کا لفظ نکاح میں ایجاب ہوتا ہے اور خلع، طلاق، کفالہ اور ہبہ میں بھی ایجاب ہے، اور فتح میں فرمایا کہ یہ احسن ہے الخ (ت)

اور قولِ توکیل پر یہاں انعقادِ نکاح میں دقت ہوتی کہ یہ شخص خاطب کو وکیل کرنے والا کون، نکاح کا وکیل

---

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ اتصبرون وکان ربک بصیرا اصح المطابع دہلی ص ۳۰۴
[2] صحیح بخاری باب فضل ابی بکر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱۰
[3] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵
[4] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۳

بالنکاح تو دوسرے کو وکیل کرسکتا ہی نہیں، فضولی کیا چیز ہے،

فی الخلاصۃ لو قال الوکیل بالنکاح ھب ابنتک لفلان فقال الاب وھبت لاینعقد النکاح مالم یقل الوکیل بعدہ قبلت لان الوکیل لایملک التوکیل[1] اھ وان کان یتراءی لی ان لقائل ان یقول لعل لاینعقد فیہ بمعنی لاینفذ فانہ ان لم یملک کان توکیل فضولی فکان ماذا الاتری ان الفضولی لایملک التزویج ولو زوج لحصل الزواج ولو موقوفا فکذا ینبغی ان تحصل بتوکیلہ الوکالۃ وان توقف نفاذہ علی تنفیذ من لہ التنفیذ قال فی البحر من البیوع الظاھر من فروعھم ان کل ما صح التوکیل بہ فانہ اذا باشرہ الفضولی یتوقف الا الشراء بشرطہ[2] اھ ومعلوم ان التوکیل مما یصح بہ التوکیل فالظاھر الانعقاد موقوفا و ان اثید عدمہ اصلا مالم یقل الوکیل قبلت فالتعلیل الصحیح الواضح ما افاد العلامۃ الفھامۃ علی المقدسی

خلاصہ میں ہے اگر وکیل نے کسی کو کہا کہ تُو اپنی لڑکی فلاں کو دے، تو باپ نے جواب میں "میں نے دی" کہا، تو جب تک اس کے بعد وکیل "میں نے فلاں کے لئے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا، کہ وکیل از خود دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا اھ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس پر کوئی معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ جب نکاح کا وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا تو دوسرا' فضولی قرار پائے گا، اور فضولی کا عقد نافذ نہیں ہوتا اگرچہ عقد کی حد تک ہوجاتا ہے تو یہاں "منعقد نہ ہوگا" کا معنٰے "نافذ نہ ہوگا" ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فضولی کو نکاح کردینے کا اختیار نہ ہونے کے باوجود اگر وہ نکاح کرے تو اس کا نفاذ موقوف رہتا ہے تو یہاں بھی وکیل کی توکیل موقوف ہوکر نافذ کرنے والے کی اجازت سے نافذ ہوجائے گی۔ بحر کے بیوع میں کہا ہے کہ فقہاء کرام کے بیان کردہ جزئیات سے ظاہر ہے کہ وہ امور جن میں توکیل جائز ہے اگر ان امور کو فضولی از خود سرانجام دے تو یہ امور موقوف رہیں گے ماسوائے کسی شرط کے ساتھ خرید کے اھ، تو ظاہر ہے کہ وکیل بنانا بھی ان امور میں سے ہے جن میں توکیل جائز ہے، تو ظاہر ہوا یہاں بھی فضولی کا تصرف جائز ہونا موقوف ہوگا، اگر وکیل کی قبولیت کے بغیر باپ کے "دے دی" کہنے سے

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۳۰

[2] البحر الرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۵۱

ان قول الوکیل هب ابنتك لفلان ظاهر فی الطلب وانه مستقبل لم یرد به الحال والتحقق فلم یتم به العقد بخلاف زوجنی بنتك بکذا بعد الخطبة ونحوها فانه ظاهر فی التحقق والاثبات الذی هو معنی الایجاب[1] اھ ویعینه عینا ما فی البحر عن الظهیریة لو قال هب ابنتك لابنی فقال وهبت لم یصح ما لم یقل ابو الصغیر قبلت[2] اھ فلا مساغ ههنا لزعم ان الاب لا یملك التوکیل۔

بالکل نکاح نہ ہونا مراد ہو تو پھر اس کی واضح وجہ وہ ہے جس کو علامہ مقدسی نے بیان فرمایا کہ وکیل کا لڑکی کے باپ کو "اپنی فلاں کو دے" کہنا امر اور طلب ہے جو کہ مستقبل کا صیغہ ہے اور فی الحال تحقق مراد نہیں، لہذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے خلاف وہ صورت جس میں خود مرد نے کہا کہ "تو اپنی لڑکی مجھے نکاح کر دے" تو یہاں منگنی وغیرہ کے بعد، یہ کلام اثبات و تحقق میں ظاہر ہے اور یہی ایجاب ہوتا ہے اھ بحر میں ظہیریہ سے نقل میں اسی وجہ کو معین کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک نے کہا کہ "تو اپنی بیٹی میرے بیٹے کو دے"، دوسرے نے کہا "میں نے دی"، تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ لڑکے کے باپ کو اس کے بعد "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہوگا اھ تو یہاں لڑکے کے باپ کے بارے میں یہ خیال کرنا درست نہیں کہ یہ وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے (ت)

مگر نظرِ فقہی حاکم ہے کہ یہ امر بالاتفاق مفید ایجاب اور اُن دقتوں سے برکراں ہو،

فانه امر بالقبول والقبول یطلق ویراد به الرضا وهو المحمل فی قول الفضولی المذکور للمخطوبة لعدم ارادتهم اذ ذلك الا استبانة رضاها من دون تتمیم العقد کما قدمنا، ویراد به احد رکنی العقد وهو المراد ههنا حیث المراد تحقق العقد وهذا القبول وجود له الا تلو الایجاب فی رد المحتار

کیونکہ یہ قبول کرنے کی درخواست ہوتی ہے اور جواب میں قبول سے مراد رضامندی ہوتی ہے، اور فضولی شخص اگر لڑکی کو کسی کے لیے نکاح کی درخواست کرے تو یہاں بھی یہی مقصد ہوتا ہے کیونکہ اس کارروائی کا مقصد صرف لڑکی کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ نکاح مکمل کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اور جہاں مجلس نکاح میں یہ بات کہی جائے تو اس سے نکاح کا ایک رکن مراد ہوتا ہے جیسا کہ زیر بحث مسئلہ میں ہے، تو قبول کا

---

[1] رد المحتار بحوالہ العلامۃ المقدسی کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴

[2] البحر الرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۸۲

اشار الی ان المقدم من کلام العاقدین ایجاب سواء کان المتقدم کلام الزوج اوکلام الزوجة والمتاخر قبول ح عن المنح فلا یتصور تقدیم القبول[1] الخ فالامر بالقبول یتضمن الایجاب علی جهة الاقتضاء کقولہ اعتق عبدك عنی بالف یتضمن البیع کذلك وکما ان العبد لوتزوج بلا اذن مولاہ فقول المولی لہ طلقھا رجعیۃ اجازۃ للنکاح الموقوف[2] کما فی الدر المختار لان الطلاق الرجعی لایکون الابعد النکاح الصحیح فکان الامر بہ اجازۃ اقتضاء[3] کما فی رد المحتار ھذا ما ظھر لی وھو ظاھر جلی وان ابیت فالقول بالایجاب مرجح مصحح بقول الفتح ھو احسن کما علمت۔

لفظ یہاں پر ایجاب کا جواب ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں یہ اشارہ دیا کہ عاقدین میں سے پہلے کا کلام ایجاب اور دوسرے کا قبول کہلائے گا، خواہ مرد کا پہلا کلام ہو یا عورت کا۔ اب منح کے قول کہ "قبول پہلے متصور نہیں ہوسکتا الخ، تو اس پر قبول کرنے کی درخواست اقتضاءً ایجاب پر مشتمل ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ تو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنا غلام آزاد کردے، تو یہ قول ضمناً بیع پر مشتمل ہے (یعنی مجھے فروخت اور پھر آزاد کر) اور جیسا کہ کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس پر مالک اس کو کہے "تو رجعی طلاق دے" تو مالک کا یہ کہنا موقوف نکاح کو جائز قرار دینا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، کیونکہ رجعی طلاق نکاح کے بعد ہی ہوسکتی ہے لہذا رجعی طلاق کا حکم، نکاح کی اجازت متصور ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ یہ مجھے بالکل واضح معلوم ہوا ہے، اور اگر یہ قابلِ قبول نہ بھی ہو تو ایجاب والے قول کے بارے میں فتح کا یہ کہنا کہ "یہ احسن ہے" اس کے لیے ترجیح اور تصحیح قرار پائے گا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ (ت)

بہرکیف یہاں تک اس نکاح کے منعقد ہوجانے میں شبہہ نہیں مگر از آنجا کہ شخص مذکور فضولی تھا اجازت مخطوبہ پر موقوف رہا، اب اگر بعد وقوعِ نکاح اس کی خبر پاکر قبل اس کے کہ مخطوبہ سے کوئی قول یا فعل دلیل ردوابطال نکاح صادر ہو قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت پائی گئی تو نکاح صحیح و تام و نافذ ہوگیا۔ اجازت قولی یہ کہ مثلاً مخطوبہ کہے میں راضی ہوئی مجھے منظور ہے یا اچھا کیا یا الحمدللہ، اور فعلی یہ کہ مثلاً بے جبر و اکراہ شوہر کو خلوت

---

[1] ردالمحتار	کتاب النکاح	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/ ۲۶۳
[2] درمختار	باب نکاح الرقیق	مجتبائی دہلی	۱/ ۲۰۴
[3] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/ ۳۷۳

میں اپنے پاس آنے دے یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرے یا اور کوئی فعل کہ دلیلِ رضا ہو، اور سکوتی یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پرہیزگار جس کی عدالت معلوم و متحقق ہو یا دو مستور الحال جن کا فسق معلوم نہ ہو مخطوبہ کو نکاح کی اطلاع دیں اور وہ شوہر کو پہچانتی ہو اور وہ اس کا کفو بھی ہو یعنی دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں ایسی کمی نہ رکھتا ہو کہ اس سے نکاح اولیاءِ مخطوبہ کے لیے عار ہو، اس صورت میں مخطوبہ خبر سُن کر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت بھی اجازت سمجھا جائے گا وقد فصلنا القول فی کل ذلک فی فتاوٰنا (اس تمام بحث کو ہم اپنے فتاوٰی میں بیان کرچکے ہیں۔ ت) بالجملہ یہ صورت رائجہ دقت سے خالی نہیں خصوصاً بعد استماع خبر اظہار نفرت واقع ہو جیسا کہ بلادِ ہندوستان میں اکثر دختران دوشیزہ کا معمول ہے جب تو نکاح صاف رد ہو جائے گا کہ پھر مخطوبہ کے جائز کیے بھی جائز نہیں ہو سکتا لہٰذا اس طریقے کی تبدیل ہی واجب و مناسب ہے یا تو شخص متوسط پہلے خاطب سے اذن و وکالت حاصل کر کے جائے اور وہاں جو کلام مخطوبہ سے کہتا ہے اُس سے تحقیقِ عقد مقصود رکھے کہ مخطوبہ سے اُسی قدر گفتگو پر نکاح تام و نافذ ہو جائے، یا مخطوبہ سے یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اپنے لیے اذن و وکالت لے کہ تُو نے فلاں ابن فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر اپنا نکاح کرنے کے لیے مجھے وکیل کیا، مخطوبہ کہے ہاں، پھر وہاں سے آکر خود یہی شخص خاطب سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دیا تُو نے قبول کیا، خاطب کہے ہاں، یا یہی الفاظ رکھنا چاہیں تو اول ہی مخطوبہ سے جو گفتگو کی جاتی ہے اُسے مجلس توکیل و طلبِ رضا نہ سمجھیں بلکہ اسی کو مجلسِ عقد سمجھیں اور شخص مذکور وہ الفاظ بقصد تحقیق عقد ہی مخطوبہ سے کہے کہ نکاح وہیں منعقد ہو جائے پھر خاطب کا قبول اُس کی تنفیذ قرار پائے۔

یہ سب تفصیل کہ مذکور ہوئی اُس صورت میں ہے کہ مخطوبہ جلسہ خاطب سے اتنی دُور بیٹھی ہو کہ اُس کا کلام یہاں والے نہ سُنیں یا وہ قبول کیا کہہ کر اُٹھ جائے اُس کے بعد خاطب سے گفتگو آئے یا جب مخطوبہ نے قبول کیا کہہ لیا اُس کے بعد خاطب اُٹھ کھڑا ہوا پھر اس سے کہا گیا کہ ان صورتوں میں مجلس متبدل ہو گی یا شہود اُن دونوں کا کلام معاً نہ سنیں گے اور اگر وہ اس قدر قریب بیٹھی ہے کہ اہلِ جلسہ خاطب نے اُس کا قبول کیا، کہنا سُنا اور ابھی خاطب و مخطوبہ ویسے ہی بیٹھے ہیں کہ خاطب سے آکر بیان کیا گیا اور اس نے قبول کیا کہا کہ مجلس واحد میں دونوں کا کہنا حاضرین میں کم از کم دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے معاً سُنا اور سمجھا تو نکاح کی صحت و تمامی میں اصلاً کلام نہیں، اب یہ بیچ کا شخص محض لغو و فضول ہوگا اور خاطب و مخطوبہ ہی کا کلام ایجاب و قبول ہوگا،

وذلک ماقدمنا عن الاصلاح والایضاح اس کو ہم پہلے اصلاح، ایضاح، ذخیرہ اور

والذخیرۃ والهندیۃ من قول قائل للمرأۃ وادی فقالت داد ثم للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت[1] وفی الوقایۃ وشرحها لصدر الشریعۃ اذا قیل للمرأۃ خویشتن را بزنی فلاں وادی فقالت داد ثم قیل للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت بحذف المیم یصح النکاح کبیع وشراء ای اذا قیل للبائع فروختی فقال فروخت ثم قیل للمشتری خریدی فقال خرید یصح البیع[2] اھ

ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں کہ اگر کوئی شخص عورت کو کہے کہ تُو نے فلاں کو اپنا نکاح دیا؟ تو عورت نے دادم کی بجائے داد کہا، پھر اس شخص نے مرد کو کہا کہ تُو نے قبول کی؛ تو اس نے "میں نے قبول کی" کے بجائے صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہوگا۔ وقایہ اور اس کی شرح صدر الشریعۃ میں ہے کہ جب عورت کو کہا جائے کہ تُو نے فلاں کو بیوی ہونا دیا، تو عورت نے صرف "دیا" کہا اور پھر خاوند کو کہا گیا تُو نے قبول کی، تو اس نے بھی صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہے جیسا کہ بیع کی صورت میں بائع کو کہا گیا کہ تُو نے بیچی، تو اس نے جواب میں "بیچی" کہا ہو اور "میں نے بیچی" نہ کہا، پھر خریدار کے ساتھ بھی یہی سوال وجواب ہوا تو بیع ہوجائے گی اھ (ت)

اور عورت کا پردے میں ہونا تغایرِ مجلس کا مقتضی نہیں، نہ صحتِ نکاح میں مخل ہوسکے جبکہ مخطوبہ دو شاہدوں کو عیناً یا تسمیۃً معلوم ہو،

فی الهندیۃ عن الذخیرۃ عن فتاوی ابی اللیث رجل قال لقوم اشهدوا انی تزوجت هذہ المرأۃ التی فی هذا البیت فقالت المرأۃ قبلت فسمع الشهود مقالتها ولم یروا شخصها فان کانت فی البیت وحدها جاز النکاح[3] الخ قلت فافادان الحجاب لایغیر المجلس وانما اشترط کونها

ہندیہ میں ذخیرہ سے اور انہوں نے فتاوی ابی اللیث کے حوالے سے ذکر کیا کہ ایک شخص نے لوگوں کو کہا کہ گواہ ہوجاؤ کہ میں نے اس کمرہ میں موجود عورت سے نکاح کیا اور عورت نے اندر سے جواب دیا کہ "میں نے قبول کیا"۔ گواہوں نے عورت کی یہ بات سُن لی اور عورت کو دیکھا نہیں، اگر عورت اس کمرہ میں اکیلی تھی تو نکاح ہوجائے گا الخ قلت (تو میں کہوں گا) حجاب مجلس کو تبدیل نہیں کرتا، صرف شرط یہ ہے کہ وہاں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱

[2] شرح وقایہ " " مجتبائی دہلی ۲/ ۴

[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۸

وحدها الا انه لم يسمها و تعريف الغائبة عند الاحتمال انما يكون بالتسمية و فی الهندية ايضاً عن محيط السرخسی ان كانت حاضرة متنقبة ولا يعرفها الشهود جاز النكاح وهو الصحيح[1]

عورت اکیلی ہو کیونکہ مرد نے اس کا نام ذکر نہیں کیا جبکہ شبہ کی صورت میں عورت غائبہ کی پہچان اس کے نام سے ہوتی ہے، اور ہندیہ میں محیط سرخسی سے بھی منقول ہے کہ اگر وہ نقاب اوڑھے مجلس میں حاضر ہو اور گواہ نام نہ جانتے ہوں تو بھی نکاح جائز ہوگا، یہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح قبول خاطب میں اتنا وقفہ کہ شخص مذکور وہاں سے اٹھ کر یہاں آیا اور قاضی سے وہ گفتگو ہوئی، گواہیاں لی گئیں۔ اس کے بعد خاطب سے کہا گیا تو اس نے قبول کیا کچھ مضر نہیں جبکہ مجلس متبدل نہ ہو کہ قبول فوراً ہونا ضرور نہیں فی رد المحتار عن البحر اما الفور فليس من شرطه[2] (رد المحتار میں بحر سے منقول ہے لیکن فوراً ہونا ضروری شرط نہیں اھ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔